بشیر احمد ڈار

گوتم بدھ کا فلسفۂ اخلاق

(۲)

گوتم کا پہلا قدم اپنے معاصری مفکرین کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اس زمانے میں سوفسطائی گروہ نے لوگوں کو ایک شدید ذہنی الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ہر معاملہ میں منطقی دلائل، سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے کی کوششیں، اخلاق اور اخلاقی اقدار کی تضحیک، غرض ان کے طریقہ کار نے لوگوں کو زندگی کے تمام بنیادی مسائل سے ہٹا کر محض عیش امروز کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ چارواک کا مادی نظریۂ کائنات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ان خطرناک حالات میں جبکہ ہر طرف ذہنی طوائف الملوکی طاری تھی گوتم نے بنیادی مسائلِ حیات کے متعلق بالکل غیر جانبداری کا رویہ اختیار کیا جس کو ہم تشکیک یا لاادریت کہہ سکتے ہیں۔

بدھ کے مختلف مکالمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم دس مختلف مسائل کے متعلق گوتم نے بحث مباحثہ کرنے سے مکمل انکار کر دیا۔ وہ مسائل درج ذیل ہیں:

۱، ۲۔ کائنات قدیم ہے یا حادث۔

۳، ۴۔ کائنات لامحدود ہے یا محدود

۵، ۶۔ روحِ انسانی جسم کے مماثل ہے یا مختلف۔

۷، ۸۔ کیا نجات یافتہ انسان موت کے بعد زندہ ہے یا نہیں،

۹، ۱۰۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان زندہ بھی ہو اور مرا ہوا بھی، یا ان میں سے دونوں حالتیں اس پر عائد نہ ہوتی ہوں؟

آخری چار سوال انسانی روح کے متعلق ہیں۔ قدیم آریائی نقطہ نظر سے موت کے بعد انسان دوبارہ اس دنیا میں اپنے کرموں کا اجر حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوتا ہے اور ناجی شخص جس نے نروان حاصل کر لیا ہو، پیدائش و موت کے اس دائمی چکر سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دوسری زندگی اور پہلی زندگی میں کوئی وجہِ تسلسل ہے؟ کیا کوئی ایسی چیز ہے جو ایک موت کے بعد دوسری پیدائش کے وقت نئی زندگی میں منتقل ہو جاتی ہے؟ عام طور پر تو یہی کہا جاتا ہے کہ انسانی روح ایک لازوال اور نہ مرنے والی چیز ہے جو کسی آدمی کی موت کے بعد نئی زندگی کی بنیاد اور اس کے شخصی تسلسل کو قائم رکھتی ہے اور یہی نظریہ گوتم کے زمانے میں مروج بھی تھا لیکن اس نے اس تصور کو رد کر دیا۔ اس کے نزدیک روحِ انسانی

کو ابدی یا غیر ابدی ماننے کے لئے کوئی دلائل موجود نہ تھے اس لئے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اس مسئلے کے متعلق خاموشی اختیار کرے۔ نہ صرف یہ بلکہ مجرد روح کے وجود کے متعلق بھی اس کے کلام میں کوئی اثباتی الفاظ نہیں ملتے۔ جہاں تک روح کی ماہیت کا سوال ہے قرآن بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لوگوں کے مطالبات کے جواب میں قرآن نے صرف اتنا کہا:

یسئلونک عن الروح، قل الروح من امر ربی۔ — لوگ تم سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہو کہ روح میرے رب کا "امر" ہے۔

اب یہ "امر ربی" کا مجموعہ الفاظ خود اسی طرح مبہم اور غیر واضح ہے جس طرح کہ لفظ روح۔ انہی دو الفاظ کی بنیاد پر صوفیاء اور حکمائے اسلام نے کافی طویل اور دلچسپ بحث کی ہے لیکن یہ بنیادی سوال کہ روح کیا چیز ہے؟ بالکل اسی طرح لاینحل رہا جیسا اس جواب سے پہلے تھا۔ مگر جہاں تک روح کے وجود کا تعلق ہے قرآن اس کا اثبات کرتا ہے اور گوتم اس کا انکار یا کم از کم نہ اثبات نہ انکار۔ ایک دفعہ اس مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے اس نے کہا کہ ہمارے حواس یا ہمارا جسم ہی وہ ذرائع ہیں جن کی وجہ سے ہم "میں" کا تصور حاصل کرتے ہیں۔ لیکن صحیح عالم وہ ہے جو اس غلط مفروضہ سے اس جہالت سے نجات حاصل کرلے۔ چنانچہ اس انکار روح کے بعد بدھ مت کے لئے انسانی خودی اور تشخص سے انکار نظامِ اخلاق کا ایک بنیادی تصور قرار پایا۔

ایک دفعہ ایک بھکشو نے گوتم سے رُوح کے متعلق سوال کیا:

کیا روح کا وجود ہے؟

گوتم خاموش رہا۔

کیا روح کا وجود نہیں؟

گوتم پھر بھی خاموش رہا۔

اس کے بعد وہ بھکشو اٹھا اور چلا گیا۔ یہ دیکھ کر اس کے عزیز شاگرد آنند نے اعتراض کیا کہ ان سوالات کے جواب کیوں نہیں دئے گئے۔ گوتم نے کہا:

"اگر اس کے پہلے سوال کے جواب میں میں "ہاں" کہتا تو اس سے عام مروجہ عقیدہ کی تائید ہوتی کہ روح ایک پائیدار اور دائمی چیز ہے۔ اور اسی طرح اگر اس کے دوسرے سوال کا جواب یہ دیتا کہ روح کا وجود نہیں، تو گویا روح کے وجود کے منکرین کی تائید ہوئی۔ ان دونوں متضاد نظریات سے بچنے کے لئے گوتم نے خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھا۔ لیکن بدھوں کے ایک مشہور عالم ناگ ارجن کی رائے ہے کہ گوتم کا اصلی اور بنیادی نقطہ نگاہ انکار روح ہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ نظریہ اتنا خوفناک ہے کہ گوتم نے عام انسانوں کے سامنے اس کی تلقین اور تشریح مناسب نہ سمجھی اور اسی لئے اس کے اقوال میں دونوں قسم کے نظریات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک دوسرے مشہور بدھ عالم ناگ سین کی تشریح قابل غور ہے۔ ایک یونانی بادشاہ مینی انڈر نے جو باختر میں حکمران تھا ناگ سین سے اس معاملہ میں گفتگو کی۔

بادشاہ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے ؟

"میرے والدین، بھکشو اور دوسرے لوگ مجھے ناگ سین کہتے ہیں۔ لیکن ناگ سین کوئی علیحدہ وجود نہیں" اس پر بادشاہ نے بجا طور پر اعتراض کیا کہ اگر اس نام میں کوئی علیحدہ وجود مضمر نہیں تو پھر وہ کون ہے جو نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتا ہے، کون ہے جو نروان حاصل کرتا ہے ؟ اسی طرح وہ کون ہے جس سے بدی کے ہزاروں مختلف کام سرزد ہوتے ہیں ؟ اگر اس اصول کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکی اور بدی، خیر اور شر، وعدہ و وعید، سزا و جزا کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے یکے بعد دیگرے انسانی جسم کے مختلف حصّوں، حواس، ذہن وغیرہ کا نام لے کر پوچھا کہ کیا ان میں سے کوئی ناگ سین ہے ؟ ان سب کا جواب نفی میں پا کر بادشاہ نے کہا تو ہمارے خیال میں ناگ سین کی کوئی حقیقت اور وجود نہیں یہ ایک لفظ ہے جس کے کوئی معنی نہیں ایک نام ہے جو کسی حقیقت کا اظہار نہیں، ناگ سین محض دھوکا، فریب، سراب اور مایا ہے -

اس اعتراض کے جواب میں ناگ سین نے بادشاہ سے رتھ کے متعلق سوالات شروع کئے۔ رتھ کیا ہے ؟ کیا پہیئے، دھرا، بانس، چھت، لگام رتھ ہیں ؟ کیا یہ سب چیزیں مل کر رتھ بنتی ہے ؟ اور اگر ان چیزوں کو ذہن سے خارج کر دیا جائے تو کیا کوئی ایسی چیز رہ جاتی ہے جسے ہم رتھ کہہ سکتے ہیں ؟

ان تمام سوالوں کے جواب میں بادشاہ نے کہا۔ نہیں

اس پر ناگ سین نے کہا، پھر مجھے تو رتھ کہیں دکھائی نہیں دیتی، آپ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے - لیکن بادشاہ کا اس پر اطمینان نہ ہوا۔ اس نے کہا:-

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ رتھ موجود ہے اور اسی پر بیٹھ کر میں آیا ہوں۔ چھت، پہیئے، دھرا، بانس وغیرہ سب چیزیں مل کر رتھ بنتی ہے اور یہی چیزیں وہ نشانات ہیں جن کو دیکھ کر ہر آدمی رتھ کو پہچان سکتا ہے "

ناگ سین نے جواب دیا " بالکل یہی معاملہ ایک انسان کے متعلق ہے۔ انسانی جسم کے مختلف بے شمار اجزا اور حواس اور ذہن وغیرہ مل کر ہی شخص بنتا ہے اور انہی کی بنا پر مجھے ناگ سین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ گوتم کا مشہور قول ہے کہ جس طرح مختلف چیزوں کے ملنے سے رتھ بنتی ہے اسی طرح سکندھوں سے مل کر ایک شخص کا وجود قائم ہوتا ہے "

بدھ مت میں انسانی وجود کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) مادی اجزا جو تعداد میں ستائیس ہیں اور جن کو اصطلاحی طور پر "روپ" کہا جاتا ہے (۲) حواس ستّہ یعنی ۵ حواس اور چھٹا ذہن جو حافظہ کا مقام ہے (۳)

تصوّرات تجریدی جو حواس ستہ کے مقابلے پر چھ ہیں۔ سننے کی حس کے ماتحت مثلاً رنگ یا درخت کے تصوّرات (۴) قوائے یا قابلیتیں جو تعداد میں ۲۵ ہیں (۵) تعقل یہی انسان کے تمام ممکنہ مادی یا غیر مادی اجزا یا قوتیں ہیں جن میں سے کوئی پائیدار اور مستقل نہیں۔ پہلے جز یعنی مادی اجزا کی مثال اس جھاگ کی طرح ہے جو پانی پر بہتی ہے اور چند لمحوں سے زیادہ اس کی زندگی نہیں۔ دوسرے جز یعنی حواس ستہ کی مثال اس بلبلے یا حباب کی سی ہے جو پانی کی سطح پر چند منٹوں کے لئے ابھرتا اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ تیسرا جز یعنی تصورات تجریدی وہ غیر حقیقی سراب ہے جو سورج کی تپش سے پیدا ہوتا ہے لیکن جس کا اصلی وجود عدم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ چوتھا گروہ یعنی ذہنی اور اخلاقی رجحانات کیلے کے چھلکوں کی طرح بے حقیقت ہیں۔ آخری گروہ یعنی تعقل محض جادو کا چھلاوہ۔ ان پانچوں میں سے کوئی ایک بھی روح نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے روح کا وجود اور عدم مساوی ہے۔

اسی طرح گوتم نے حیات بعد الممات اور خود خدا کے متعلق یہی نقطہ نگاہ پیش کیا یعنی ان چیزوں پر یقین کرنا یا انکار کرنا اخلاقی زندگی کے لئے بالکل غیر ضروری ہے۔ خدا یعنی برہما کے متعلق اس نے ایک مکالمہ میں وہی خصوصیات اور صفات گنوائیں جو ہر توحیدی مذہب نے پیش کی ہیں اور اس کے بعد ایک صوفی درویش کی زبانی اس کے علم کی وسعت کا مذاق اڑایا۔ کائنات کے متعلق چند بنیادی سوالات نے اس کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے استادوں سے پوچھا پھر دیوتاؤں سے پوچھا۔ ان سب نے اسے ہدایت کی کہ اس کی تشفی صرف وہ خدائے بزرگ و برتر کر سکتا ہے جو اس کائنات کا خالق ہے، علیم و بصیر ہے، تمام قوتوں کا مالک، تمام صفات حسنہ کا حامل، سب کا رب و حاکم ہے۔ لیکن جب وہ درویش اس کے پاس پہنچا تو وہاں سے بھی اسے وہی جواب ملا جو وہ اس سے پہلے حاصل کر چکا تھا کہ "وہ نہیں جانتا"۔ اس تمثیل سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ گوتم کے نزدیک اخلاقی زندگی کے لئے نہ خدا کی ضرورت ہے نہ انسانی خودی کی۔ اس کے خیال میں موجودہ زندگی اور اس کے روزمرہ کے مسائل کا حل معلوم کرنے کے لئے کسی فلسفیانہ مباحث کی ضرورت نہیں۔ گوتم کے مختلف مکالمات و مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل سے بے اعتنائی کی تین مختلف وجوہات تھیں۔ (ا) ان مابعد الطبیعیاتی مسائل کی بنیاد کسی قطعی شہادت پر مبنی نہیں۔ اس لئے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق ایک نظریہ قائم کرتا ہے۔ ان لوگوں کی مثال ان آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے ہاتھی کے مختلف حصّوں کو دیکھ کر ہاتھی کو ستون یا دیوار یا پنکھے کی طرح سمجھا (ب) ایسے مسائل میں انہماک تکمیل انسانیت کے رستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے (ج) ان مسائل کے متعلق مختلف نظریات محض افراد کے ذاتی جذبات، امیدوں اور خواہشات کا عکس ہوتے ہیں اور خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ان کی بنیاد عارضی و وقتی احساسات اور خارجی تجربات پر مبنی ہوتی ہے اور اعلےٰ و برتر حکمت کا اسمیں شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی آخری دلیل کی بنا پر ایک مکالمہ میں (برہما جالا) گوتم نے ادنیٰ اور اعلیٰ حکمت کی تقسیم بھی پیش کی ہے۔ اس کے خیال میں مختلف قسم کے نظریات کی تائید یا تردید میں منطقی دلائل پیش کرنے سے معاملات کی کنہ

تک پہنچنا ناممکن ہے لیکن ایک صحیح قسم کا مفکر یا حکیم ان معاملات کی حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ منطق اور عقل کے محدود دائرے سے گذرنے کی سکت رکھتا ہو۔

"اے میرے بھائی، اگر محض منطق کی راہنمائی حاصل ہو تو ان گہرے اور پیچیدہ مسائل کی کنہ تک پہنچنا بہت دشوار ہے۔ لیکن ایک دانا حکیم ان کو سمجھ سکتا ہے۔" گوتم بدھ کی یہی تقسیم قرآن کی زبان میں محکمات اور متشابہات کی تقسیم سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ قرآن کے متعلق خدا کا ارشاد ہے:

منہ ایات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابہات.... ومایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنابہ۔ (۳ : ۷)

اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات.... ان کا حقیقی مفہوم کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں اور جو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔

محکمات جن کو یہاں ام الکتاب کہا گیا ہے، سے مراد دین کے بنیادی اصول ہیں مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور امر و نہی کے احکام۔ متشابہات سے وہی مابعد الطبعی مسائل ہیں جن کی طرف گوتم بدھ نے اشارات کئے ہیں، یعنی کائنات کی حقیقت، اس کا آغاز و انجام، اس میں انسان کی حیثیت اور اس طرح کے دوسرے بنیادی مسائل، چونکہ یہ تمام امور انسانی حواس اور عقل سے ماوراء ہیں اس لئے ان کی وضاحت کے لئے مجبوراً ایسے الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں جو انسانی تجربے سے تعلق رکھتے ہوں اور بیان کی اسی مجبوری کے باعث ان حقائق کی صحیح شکل سامنے نہیں آ سکتی۔ جہاں کہیں الفاظ کا پردہ اٹھا کر تاویل کی کوشش کی جائے گی، وقتی مصلحتیں اور زمانے کا اقتضاء ان کو ایک خاص نہج پر لے جانے پر مجبور کرے گا۔ اسی لئے گوتم نے لوگوں کو تلقین کی کہ ان مسائل میں الجھ کر فتنوں کا دروازہ مت کھولو کیونکہ اس سے زندگی کے بنیادی اخلاقی مسائل حل نہیں ہونگے۔ قرآن نے بھی اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا:

فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغآء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔

جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

اس جگہ ایک بہت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ گوتم کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟ ایک حیثیت تو سقراط کی تھی۔ ایک دفعہ اسے اتفاق ہوا کہ سقراط تم دنیا میں عقلمند ترین انسان ہو۔ اس پر وہ سوچنے لگا کہ وہ کیسے عقلمند ہو سکتا ہے جب اسے بہت سی چیزوں کا علم نہیں۔ بہت غور و خوض کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ چونکہ اسے اپنی لاعلمی یا کم علمی کا احساس ہے تو یہی اس کی دانائی ہے حالانکہ لوگوں کی اکثریت جو علم میں بالکل کم مایہ ہوتی ہے اپنے آپ کو عقلمندی

میں یکتائے روزگار سمجھتی ہے ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند در جہلِ مرکب اید الدہر بماند

کیا گوتم کی خاموشی لاعلمی کا اقرار تھا؟ اس نقطہ نگاہ کو تسلیم کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس کے مفسرین مثلاً ناگ ارجن اور ناگ سینا اور ہندو ناقدین کی توجیہ کو تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گوتم کی مسلّمہ اور مصدقہ رائے یہی تھی کہ نہ خدا ہے نہ موت کے بعد کوئی زندگی، نہ روح اور نہ کوئی سزا و جزا۔ جو کچھ ہے وہ یہی ہر لمحہ تغیّر پذیر زندگی جس میں دُکھ اور مصیبت کی زیادتی سے تنگ آکر انسان پناہ ڈھونڈنی چاہتا ہے جو ایک خاص قسم کے اخلاقی اصولوں کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس نظریئے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ گوتم کی تمام ابتدائی کوششیں، اس کی ریاضت، اس کے قلب پر روشنی کا ظاہر ہونا سب بے کار اور لایعنی چیزیں تھیں جن سے اسے کوئی روحانی فائدہ اور عرفان حاصل نہ ہو سکا۔ جب یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ ایک دن اس کے قلب پر نور چمکا جس کی روشنی میں اس نے حقائق عالیہ کا علم حاصل کر لیا تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے دل سے تمام مادی حجابات زائل ہو گئے اور وہ راسخون فی العلم کے زمرہ میں داخل ہو گیا جس کے بعد وہ ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا ہو کر حق الیقین کی منزل تک جا پہنچا۔ اس تاویل کے بعد اس کی خاموشی کا مقصود صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے زمانہ کے مناظرہ بازوں کے فتنے سے باز رکھنا چاہتا تھا جو لوگوں کو صحیح مسائل سے ہٹا کر محض علمی اور تجریدی مسائل میں اُلجھائے رکھتے تھے۔ جب گوتم نے روشنی کا جلوہ دیکھ لیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے تمام مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کا عزم مصمم کر لیا تاکہ وہ اپنی قوم کو ایک اعلےٰ اور برتر زندگی کی طرف راہنمائی کر سکے اور یہ تبھی ممکن تھا جب اسے حقیقت کا عرفان حاصل ہو چکا ہوں۔ اس کی غیر موجودگی میں وہ "بدھ" کہلانے کا مستحق نہیں "بدھ" کا لقب اس بات کی کافی شہادت ہے کہ وہ زندگی کے ان سب حقائق عالیہ کی حقیقت سے پوری طرح خبردار ہو چکا تھا۔ اپنے زمانے کی سوفسطائی ذہنیت سے بچانے کے لئے اس کے پاس اس کے سوائے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ عوام کے سامنے اپنی زبان نہ کھولے اور اسی کی طرف اس نے اپنے عزیز ترین شاگرد آنند کی توجہ دلائی جب اس نے گوتم سے اس کی خاموشی کا سبب پوچھا تھا۔ اسی طرح ایک دن گوتم نے چند گرے ہوئے پتے اٹھا کر ہتھیلی پر رکھے اور آنند سے پوچھا: کیا ان پتّوں کے علاوہ اور پتے بھی ہیں؟ آنند نے کہا :-

خزاں کا موسم ہے اور آج کل ہر جگہ اور ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پتے گر رہے ہیں۔ اس پر گوتم نے کہا۔ اسی طرح میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ حقیقت کلّی کا محض ایک حقیر ترین حصہ ہے۔ سچائیاں انہی پتوں کی طرح لاتعداد ہیں جن کا شمار انسانی عقل کے بس کی چیز نہیں"۔ ناگ سین سے بادشاہ نے پوچھا تھا کہ حکمت

کا مقام کہاں ہے ؟ اس نے جواب دیا "کہیں نہیں" بادشاہ نے اس پر کہا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکمت کوئی چیز نہیں۔

ناگ سینا نے جواب دیا کہ جس طرح ہوا کسی جگہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ موجود ہے اسی طرح حکمت اور دانائی کسی خاص جگہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ موجود ہے بشرطیکہ اس کا طالب صادق موجود ہو۔

لیکن اس چیز کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ متشابہات کی بحث بعض دفعہ فتنوں کا دروازہ کھولدیتی ہے تو بھی اس حقیقت سے اغماض نہیں کیا جاسکتا کہ اخلاقی زندگی کا دارومدار بہت حد تک انہی بنیادی مسائل کی صحیح توضیح پر ہے۔ اگر گوتم کی نگاہ میں تکمیل انسانیت ایک حقیقی مقصد ہے تو کیا یہ تکمیل بغیر منزل کے تعین کے ممکن ہے ؟ کائنات کی ابتدا و انتہا، انسانی خودی اور اس کی آزادی، روح کی ابدیت اور ہمیشگی خالق کائنات کا وجود ـــــ یہ سبھی مسائل بلاشک وشبہ انسانی عقل سے ماوراء اور متشابہات میں داخل ہیں، لیکن ان کے تشفی بخش حل کے بغیر انسان بہ حیثیت انسان اخلاق کی دنیا میں ایک صحیح قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ آپ ہر جگہ اس کا اعلان کرتے رہئے کہ ان مسائل کو مت زیر بحث لایئے، لیکن اس کے باوجود انسانی فطرت اس چیز کا ہر لمحہ تقاضا کرتی ہے کہ ان مسائل کو سامنے لایا جائے۔ ان کا قابل حل یا ناقابل حل ہونا ایک بالکل علیحدہ مسئلہ ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اخلاقی نظام کسی حالت میں بھی ان مسائل سے دوچار ہوئے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ خود قرآن نے جہاں آیت مذکورہ بالا میں متشابہات کی بحث میں پڑنے کو فتنے کا دروازہ کھولنے کا نام دیا وہیں بے شمار جگہوں پر ان مسائل پر بحث بھی کی ہے کیونکہ اس کے بغیر عملی زندگی میں اخلاق کا چلن تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ یہ فیصلہ کرلیں کہ یہ کائنات بغیر کسی خالق کے خودبخود وجود میں آگئی اور انسان اپنے اعمال میں کسی کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ نہیں تو اس حالت میں جو فلسفہ اخلاق تعمیر ہوگا وہ خالص افادیت اور عیش پرستانہ ہوگا۔ اگر آپ یہ یقین کرلیں کہ یہ کائنات بلا مقصد پیدا ہوئی ہے تو آپ کے سامنے قنوطیت ایک منطقی لزوم کے ساتھ آموجود ہوگی۔ اور ایسی حالت میں زندگی سے موت کہیں زیادہ قابل ترجیح ہوگی اور خودکشی ایک مستحسن فعل قرار پائیگا جیسا کہ ہندوستان میں جین مت اور یونان میں رواقیت کے ہاں۔

گوتم نے اپنی تمام کوشش کثرت تک محدود رکھی اور وحدت کی طرف سے بالکل بے اعتنائی برتی۔ نفسیات میں جذبات، احساسات، خارجی تجربات اور داخلی رجحانات ہی سب کچھ ہیں اور اس کثرت میں کوئی مرکزی نقطہ موجود نہیں جو ان کو ایک لڑی میں پرو سکے۔ اخلاقی اور دینی دائرہ عمل میں چند متفرق اعمال ہیں جو بغیر کسی بنیادی مقصد کے ہر انسان سے سرزد ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ معاشرتی حیثیت

سے انسانوں کی کثرت میں کوئی ربط و نظام نہیں جو انہیں کسی اعلیٰ مقصد کے لئے ایک واحد نظام ریاست میں منضبط کر سکے۔ ہر جگہ ہر طرف اور ہر چیز تغیر اور تبدیلی سے دوچار ہے اور اس تغیر کی تہ میں ثبات کا وجود بالکل عنقا ہے۔ غرض بدھ مت محض کثرت کا مدعی ہے اور وحدت کا منکر حالانکہ کثرت اور وحدت علیحدہ علیحدہ محض اعتباری حقیقتیں ہیں۔ کوئی کثرت وحدت کے بغیر اسی طرح نامکمل اور ناقص ہے جس طرح وحدت کثرت کے بغیر نفسیات میں روح کو خارج کرنے سے دین و اخلاق کو خدا سے بے تعلق رکھنے سے اور معاشرتی زندگی میں محض افراد کو مدنظر رکھنے کے باعث بدھ مت میں وہی خرابیاں آموجود ہوئیں جن کو ختم کرنے کے لئے گوتم نے تمام تگ و دو کی تھی۔ یہ ایک بیّن حقیقت ہے اور خود بُدھ مت کی تاریخ بھی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ گوتم نے ان معاملات میں سکوت اختیار کر کے جہاں ایک فتنے کا دروازہ بند کیا وہاں ہزاروں اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ ایک خدا کے وجود سے انکار یا عدم اقرار سے ہزاروں خدا اور دیوتا آموجود ہوئے۔ وہ اخلاقی نظام جو خدا روح اور حیات ابدی کی نفی پر اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ ان کے متعلق انسانی حواس و عقل کوئی قطعی حکم یا فیصلہ نہیں کر سکتے بعد میں خالص توہمات اور تخیلات کے گورکھ دھندوں میں گم ہو گیا اور بتوں کی پوجا اور لایعنی رسوم و عقائد کا ایک مضحکہ خیز مجموعہ بن کے رہ گیا۔

بُدھ مت کے حقائقِ اربعہ

گوتم کی روحانی زندگی کا دوسرا اہم قدم چار نکاتی حقیقت کا اعلان تھا۔ (۱) اس زندگی میں دکھ ہی دکھ ہے (۲) اس دکھ کی ایک وجہ ہے (۳) یہ وجہ دور کی جا سکتی ہے (۴) اس کو دور کرنے کا ایک صحیح راستہ بھی ہے۔

دکھ اور مصیبت کے وجود سے تو کسی کو انکار نہیں لیکن جو نقشہ گوتم نے کھینچا ہے وہ نہ صرف مبالغہ آمیز بلکہ حقیقت سے بہت بعید ہے۔ انسانوں کی پیدائش اور ان کی موت سبھی اس کے نزدیک دکھ اور مصیبت کے آثار ہیں۔ زندگی کے الم ناک پہلو مثلاً بیماری، ذہنی اور جسمانی تکالیف، ظالموں کے ظلم و ستم، قدرتی تباہ کاریاں تو یقیناً انسانی زندگی کے افسوسناک پہلو ہیں۔ لیکن اس سے نتیجہ یہ نکالنا کہ زندگی بہ حیثیت زندگی دکھ کا باعث ہے حالات کی ایک بالکل غلط تعبیر ہے۔ کیا زندگی کی تکلیفوں کے مقابلہ میں سُکھ کی مقدار کم ہے؟ گوتم کے نزدیک اس کا جواب اثبات میں ہے لیکن کیا کوئی ایسا پیمانہ ہے جس سے ان کے صحیح تناسب کا اندازہ ہو سکے؟ انسانیت کا عملی تجربہ اس معاملہ میں یہی ہے کہ دکھ کے باوجود زندگی قابل احترام ہے اور محض وقتی اور عارضی پریشانیوں کے باعث اس سے انکار درحقیقت خود احترام انسانیت کے خلاف ایک افسوسناک فیصلہ ہو گا۔

گوتم کا یہ قنطوطی نقطہ نظر صرف بدھ مت تک محدود نہیں۔ خود اُپ نشدوں میں بھی یہی نظریہ موجود ہے۔ اس کا اصلی سبب وہی دوری نظریۂ حیات ہے جو یونان اور ہندوستان کے تمام مفکرین کے ہاں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔ اس نظریئے کے مطابق زندگی ایک خطِ مستقیم پر ارتقائی منازل طے نہیں کرتی بلکہ ایک دائرہ کی شکل میں ایک ہی مرکز کے ارد گرد گھومتی ہے اور تمام مظاہرِ حیات اس چکر میں اس طرح مبتلا ہیں کہ اس سے چھٹکارا پانے کا کوئی امکان نہیں، طوعاً و کرہاً یہ بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور اس لئے اس کا لازمی نتیجہ قنوطیت ہے۔ اگر زندگی کی پریشانیوں سے تنگ آکر کوئی خودکشی بھی کرلے جیسا کہ جین مت نے تجویز کیا تھا تب بھی وہ اس دوری گردش سے نجات نہیں حاصل کرسکتا کیونکہ وہ پھر اسی کائنات میں اسی یا کسی دوسری شکل میں آموجود ہوگا۔ نہ پیدائش کا کوئی مقصد ہے، نہ کائنات کا اور نہ کوئی انجام۔ ایک مسلسل اور نہ ختم ہونے والا چکر ہے اور جو کوئی اس میں پھنس گیا اس کے لئے کوئی راہ نجات نہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بلامقصد نہیں۔ انسان کا اس دنیا میں پیدا ہونا، زندگی بسر کرنا اور مرنا سبھی کائنات کے خالق کے ایک تعمیری پروگرام کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے۔ قرآن نے یہ کہہ کر کہ موت کے بعد اس موجودہ زندگی میں دوبارہ واپس آنے کا کوئی امکان نہیں دوری نظریۂ حیات کے قنوطی مضمرات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا اور اس طرح وہ بنیادی وجہ جس نے اُپ نشد کے مفکرین اور گوتم کو حیاتِ انسانی کے دکھوں کو اجاگر کرنے پر مجبور کیا ہمیشہ کے لئے ختم کردی۔ جب انسان کی پیدائش بلامقصد نہیں، اگر زندگی کے مختصر دور میں اس کو بعض دفعہ مصیبتوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اگر ایک مدّت معینہ کے بعد اسے اس دورِ حیات سے گزر کر ایک نئے دور میں داخل ہونا ہے اور یہ سب کچھ ایک بنیادی مقصد کے حصول کی خاطر ہے تو اس میں رونے، چیخنے، پکارنے اور واویلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر انسان اس مقصد کو کرہاً نہیں بلکہ طوعاً آزادی اور شعوری طور پر اپنالے تو اس کائنات میں تمام دکھوں اور تکلیفوں کا مداوا ہوسکتا ہے۔

وان استغفروا ربکم توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً الیٰ اجل مسمی (۱۱-۳)

اور اگر تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدّت تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا۔

یاقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدراراً ویزدکم قوۃ الیٰ قوتکم۔ (۱۱-۵۲)

اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو، وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دیگا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔

اس طرح سورۂ نمل میں آتا ہے:

من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیاۃً طیبہ۔

جو شخص بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت ہم اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بار بار اس کا ذکر ہے کہ صالحین کے لئے کسی قسم کا رنج و غم نہیں۔

ألا ان اولیآء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ۔ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ۔ (۱۰ : ۶۲-۶۴)

سنو جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقوٰے کا رویّہ اختیار کیا، ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں دُنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں اُن کے لئے بشارت ہی بشارت ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دُکھ اور تکلیف کا وجود تو ضرور ہے لیکن جب کائنات کا ایک صحیح نظریہ سامنے ہو، خالق کائنات پر یقین محکم ہو، اس کے اخلاقی قوانین کو عملاً زندگی میں جاری وساری کر دیا جائے تو اس چند روزہ زندگی ہی میں حُزن و ملال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں موت بھی جو گوتم کے نزدیک ایک بے معنی مصیبت و ابتلا ہے، جس سے بچنے کے لئے اس نے کئی مختلف راستے اور طریقے سوچے، ایک بامعنی واقعہ میں تبدیل ہو جاتی ہے چنانچہ مولانا روم نے زندگی کے ارتقائی نقطۂ نگاہ سے یہ بات صاف کہہ دی کہ جب ہر موت کے بعد میں اپنی پہلی منزل سے برتر اور اعلیٰ منزل میں داخل ہُوا تو موت سے آخر کیوں ڈروں ؟ کیا میرے پچھلے تجربات اس بات کی شہادت نہیں دیتے کہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ زندہ اُٹھوں گا تو موجودہ حالت سے بہتر حالت میں اپنے آپ کو پاؤں گا ؟ ؎

از جمادی مُردم و نامی شدم ۔۔۔ وز نما مُردم بہ حیواں سرزدم
مُردم از حیوانی و آدم شدم ۔۔۔ پس چہ ترسم ؟ کے ز مردن کم شوم ؟
(دفتر سوم)

آپ نشدوں میں بار بار اس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دنیا کی یہ زندگی چونکہ چند روزہ ہے۔ اس لئے اس میں دل لگانا دکھوں کا باعث ہوگا اور سکھ صرف خدائے مطلق سے لو لگانے میں ہے۔ ان کے نزدیک دنیا محض دار العذاب ہے۔ اسی نظریہ کو بدھ مت نے بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیا اور اس پر فلسفہ کا ایک عجیب وغریب تانا بانا تیار کر کے زندگی کا ایک خالص منفیانہ نظریہ پیش کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقتِ مطلقہ وہی خدائے بزرگ و برتر ہے۔ لیکن اس سے یہ کسی طرح بھی مستنبط نہیں ہوتا کہ یہ دنیا، چونکہ ناپائدار ہے اس لئے قابل ترک۔ یہ دنیا دار العذاب نہیں بلکہ دار الامتحان ہے جہاں انسان کو اختیار دیا گیا ہے اور اسے عقل کی قوتیں دے کر پوری آزادی دی گئی ہے کہ وہ خیر کے راستہ پر گامزن ہو یا شر کے طریقہ پر۔ یہ دنیا ترک کرنے کے لئے نہیں بلکہ انسان کی تمام قوتوں کو استعمال کرنے اور خیر کے کاموں میں سبقت کرنے کے لئے ہے۔ اگر وہ خیر کا راستہ اختیار کریگا تو خدا اس کا شریک کار اور مددگار ہوگا۔ دنیا کی ناپائداری کو سامنے رکھ کر قنوطیت کا راگ چھیڑنا عقل انسانی اور خالق کائنات کی تضحیک سے کم نہیں۔

بُدھ مت میں دکھ کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی جاتی ہیں :-

(۱) **جہالت** ۔ احساس خودی جو تمام برائیوں کی جڑ ہے جہالت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ خودی ہی ہے جو انسان کو اس عارضی و ناپائیدار زندگی میں دلچسپی لینے پر مجبور کرتی ہے اور صحیح علم سے روکتی ہے۔ ہم ہر لمحہ صرف اپنی ذاتی بقا کے لئے کوشاں رہتے ہیں ——— حالانکہ تمام زندگی شر ہے اور خواہش اس شر کی محرک۔ انسان دکھ اٹھاتے

ہیں صرف اس لئے کہ وہ زندہ ہیں اور زندہ رہنا چاہتے ہیں اور زندگی کی یہ نہ مٹنے والی تڑپ اور تمنا ہی درحقیقت تمام دکھوں کا باعث ہے۔ جہالت کی یہ انتہا ہے کہ ان تمام مصیبتوں کے باوجود ہم انسان زندگی سے اس طرح چمٹے ہوئے ہیں۔

(۲) **سنسکار** یعنی قوت ارادی۔ ایک شخص موجودہ زندگی میں جب امیر وغریب کا تفاوت دیکھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ امیری کی زندگی اسکی موجودہ زندگی سے بہتر ہے۔ ایسی حالت میں وہ اپنی قوتِ ارادی سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ جنم میں ایک امیرانہ زندگی گزارے گا چنانچہ اس کی قوت ارادی اس کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ پیدائش اور موت کے چکر سے نجات پانے کی بجائے اس چکر میں پھر مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) شعور جس سے مختلف چیزیں اور اشخاص متمیز ہوتے ہیں۔ موت کے وقت سب چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ شعور باقی رہتا ہے جو نئے وجود اور نئی زندگی کا تسلسل قائم رکھتا ہے۔ اگر کسی طرح شعور کو اظہار کے لئے کوئی مساوی جسم میسر نہ آئے تو یہ ختم ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ پیدائش و موت اور دکھ کی وجہ منقطع ہو جائے گی۔

گوتم نے کہا۔ آنند اگر شعور کسی جسم میں داخل نہ ہو سکے تو کیا نام اور روپ یعنی تشخص اور خودی کا بھی وجود ہو گا؟

"نہیں"

"اگر شعور جسم میں داخل ہو کر نکل آئے تو کیا نام اور روپ کا وجود ہو گا؟"

"نہیں"

"اگر بچپن ہی میں شعور گم ہو جائے تو کیا بچے میں نام اور روپ پیدا ہو گا؟"

"نہیں"

"آنند اگر شعور کو نام اور مادی جسم میسر نہ آئے تو کیا پھر پیدائش، بڑھاپا اور موت جو دکھوں کے اصلی باعث ہیں دنیا میں ظاہر ہونگے؟"

"نہیں"

(۴) خواہش یا تمنا جو انسان کو اس مادی ماحول کی دلچسپیوں میں پھنسائے رکھتی ہے اور جس کے باعث موت اور زندگی کا خوفناک چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

اس تمام بیان میں جو مختلف کتابوں میں مختلف تفصیلات کے ساتھ موجود ہے۔ گوتم نے کسی خاص اصول کو مدنظر نہیں رکھا۔ ان سب کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ احساس خودی ہی تمام بیماریوں اور دکھوں کی جڑ ہے۔ اگر

جہالت کی جگہ صحیح علم ہو تو یہ سب سلسلہ ختم ہو جائے ۔

اس عالمگیر اودیا یعنی جہالت کو آپ نشدوں اور بدھ مت میں ایک مابعد الطبیعی اصول کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ۔ اسے شکتی یعنی قوت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جو تخلیق اور آواگون کے چکر کی بنیادی وجہ ہے۔ گوتم نے اسی جہالت کو دور کرنے کے لئے اپنا نظام اخلاق ترتیب دیا تھا ۔

اس اخلاق کی بنیاد آٹھ اصولوں پر ہے (۱) صحیح عقیدہ یا تصور۔ انسانی نفس اور کائنات کے متعلق جب تک صحیح نظریہ موجود نہ ہو اعمال کی درستی ممکن نہیں ۔

(۲) صحیح مقاصد یا ارادہ ۔ جب تک کوئی انسان جہالت سے بچنے اور نجات کے راستے پر چلنے کے لئے قوی ارادہ نہ کرے تب تک اس سے کوئی نیکی کا عمل سرزد نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کو ترک کرے جذبات اور خواہشات پر قابو پائے اور تمام انسانوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ رکھے ۔

(۳) صحیح گفتار ۔ جھوٹ، چغلی، سخت و ترش کلامی، بے کار باتوں سے پرہیز کرے ۔

(۴) صحیح اعمال ۔ گوتم نے گرہستیوں کے لئے مندرجہ ذیل اعمال کو ضروری قرار دیا :-

(ا) کسی جاندار کو ضائع نہ کیا جائے ۔ (ب) کسی ایسی چیز کو لینے کی کوشش نہ کی جائے جو اس کی نہ ہو ۔ (ج) جھوٹ بولنا منع ہے ۔ (د) کوئی نشہ آور چیز استعمال نہ کی جائے ۔ (ﮦ) زنا ایک بدترین فعل ہے جس سے بچنا ایک لازمی چیز ہے ۔ (و) رات کو زیادہ کھانا مناسب نہیں (ز) خوشبو استعمال کرنا برا ہے ۔ (ح) ہر آدمی کو چاہئے کہ زمین پر بوریا بچھا کر سوئے

گوتم کے نزدیک مذہبی رسوم، قربانیاں، عبادتیں وغیرہ سب بے معنی چیزیں ہیں

"اگنی دیوتا کے سامنے سو سال تک سجدہ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ تم ایک پرہیزگار شخص کی صحبت میں بیٹھو"

ایک دفعہ ایک برہمن نے گوتم سے پوچھا کہ کیا اس مقدس دریا میں نہانے سے گناہ دُھل جائینگے ۔ گوتم نے جواب دیا "ایک گنہگار اس دریا میں ایک نہیں ہزار بار غوطہ لگانے اس کے گناہوں کے داغ کبھی نہیں صاف ہونگے ۔ اگر تم تمام جانداروں سے مہربانی سے پیش آؤ، دل سے کدورت اور میل نکال دو، جھوٹ نہ بولو اور دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کرو تو اے برہمن تم اس جگہ پانی میں غوطہ لگاؤ تب بھی ٹھیک ہے ۔ ہر پانی پاک اور پوتر ہے" اگر کسی شخص کے دل سے جہالت دور نہیں ہوئی تو اس کی فاقہ کشی، سر منڈانا، موٹا لباس پہننا، قربانیاں اور مندر کے پجاریوں کو نذریں نذرانے دینا سب بے کار ہے ۔

(۵) صحیح کمائی ۔ جائز اور ناجائز ذرائع آمدنی کی تمیز قائم کرکے گوتم نے لوگوں میں ایک صحت مندانہ اخلاقی نقطہ نگاہ پیدا کرنے کی کوشش کی ۔

(۶) صحیح کوشش اور ہمت (۷) صحیح نقطہ نگاہ (۸) صحیح اطمینان و سکون ۔ یہ تینوں باتیں انسان کی [illegible]

اصلاح کے لئے ضروری ہیں۔ اگر داخلی محرکات موجود نہ ہوں تو محض بیرونی کوششوں سے کوئی خاطرخواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ کسی وقت انسان کے ذہن میں غلط خیالات ہیجان پیدا کرنا شروع کر دیں تو اس وقت اگر وہ کوشش اور ہمت سے کام نہ لے تو اسکی تمام محنت رائگاں ہو سکتی ہے۔ اسی انسانی کمزوری سے بچانے کے لئے گوتم نے مسلسل کوشش اور ہمت کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اس سلسلے میں ہر قسم کے تکبر اور غرور سے محفوظ رہنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ دھرم کی بنیاد ذہن پر ہے اور دھرم کی عملی پیروی سے صحیح علم حاصل ہوتا ہے "اس سلسلے میں اس نے حواس کی تربیت پر بھی مناسب زور دیا۔ ایک دفعہ ایک آدمی آیا جو کسی سادھو کا شاگرد تھا۔ گوتم نے اس سے پوچھا کہ تمہارا گرو تمہیں کیسی تربیت دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی آنکھیں دیکھنا بند کر دیتی ہیں اور کان کچھ نہیں سن سکتے۔ یہ سن کر گوتم نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اندھے اور بہرے صحیح طور پر تربیت یافتہ ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں اور سنیں لیکن پھر بھی ہم سے لغزش نہ ہو۔ آخری منزل دھیان ہے جس سے قلب میں اطمینان اور سکون میسر آتا ہے۔ بدھ مت میں یہی عبادت کا بدل ہے۔

قرآنی اخلاق کی بنیاد دو چیزوں پر ہے :- ایمان اور عمل صالح۔ ایمان کا مطلب وہی ہے جو بدھ مت میں صحیح عقیدہ کا ہے لیکن قرآن کی اصطلاح میں ایمان سے مراد خدا، رسولوں اور آخرت پر یقین کرنا ہے لیکن بدھ مت میں ان میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں۔ البتہ عمل صالح کا سارا حصہ اس میں موجود ہے۔

بدھ مت میں صوفیانہ اخلاق کی طرح ترک دنیا پر بہت زیادہ توجہ کی گئی ہے اس لئے لازمی طور پر معاشرے کی اصلاح کی بجائے صرف انفرادی فلاح و بہبودی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گوتم نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مبالغہ آمیز تپسیا اور ریاضت سے بچنے کی تاکید کی لیکن چونکہ اس کے نزدیک نجات کا حصول ترک دنیا اور ترک لذات سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اس لئے لامحالہ بدھ مت میں ریاضت کی انتہائی شکلیں پیدا ہو گئیں۔ گوتم نے خود اس افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راستے کی تلقین کی تھی۔ ایک مجلس میں اس نے اپنے ایک پیرو سے پوچھا

"کیا کبھی جنگ میں تمہیں تیر لگا ہے"؟

"ہاں"

"کیا تم نے زخم کو دھویا۔ مرہم لگائی اور پھر اس پر پٹی باندھی؟"

"ہاں"

"کیا تمہیں اپنے زخم سے محبت تھی؟"

"نہیں"

بالکل اسی طرح راہب اپنے جسم سے محبت نہیں کرتا۔ لیکن محبت نہ کرتے ہوئے بھی وہ اپنے جسم کا اتنا خیال رکھتا ہے تاکہ اس کی روحانی زندگی میں ترقی ہو۔

گوتم کے اس نظام اخلاق کا سارا زور صرف افراد کی اخلاقی اصلاح تھا۔ اس کا تعلق معاشرے سے بالکل نہ تھا۔ اسی لئے ناقدین کا خیال ہے کہ گوتم کو ہندو معاشرے کا مصلح کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کیونکہ اس کی ساری تعلیم کا محور فرد کی اندرونی اصلاح تھا۔ اہم سوال یہ ہے کہ کیا اشخاص کی انفرادی اصلاح سے وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جو گوتم کے پیش نظر تھا؟ فرض کیجئے کہ ایک معاشرے میں چند سو آدمی اس بلند مقصد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے چند سالوں کی کوشش سے وہ ذہنی اور قلبی حالت پیدا کر لی جس کا بدھ مت مطالبہ کرتا ہے۔ کیا اس اقلیت کے کمال اخلاق سے اس دنیا میں دکھ، بیماری، بڑھاپا اور دیگر مصائب ختم ہو جائینگے جن کے انسداد کے لئے گوتم نے کئی سالوں تک اپنی جان کی بازی لگائی تھی؟ حقیقت صرف یہی ہے کہ دنیا کے فتنہ و فساد کا انسداد محض انفرادی اصلاح سے ممکن نہیں۔ آپ بہترین سے بہترین اخلاقی اصول وضع کر دیجئے لیکن جب تک آپ کے پاس ان اصولوں کی بنا پر کوئی معاشرہ تعمیر نہیں ہوتا ان سے متوقع فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ اندرونی اور انفرادی اصلاح کی بلاشبہ بہت ضرورت ہے لیکن جب تک خارجی ماحول یعنی نظام حکومت اور اس کے باعث نظام معیشت اور معاشرت میں مناسب ردوبدل نہ کیا جائے تب تک کسی پائدار اصلاح کی کوئی توقع نہیں۔ مشرقی مذاہب نے بالعموم وہ طریقہ اختیار کیا جو گوتم کے ہاں موجود ہے یعنی معاشرہ کی برائیوں کو روکنے یا ختم کرنے کے لئے محض افراد کی اندرونی اصلاح۔ اس کے برعکس مغرب نے محض خارجی عوامل کی درستی پر زور دیا۔ اسی خارجیت پسندی کے باعث ہر قسم کے آرام و آسائش اور مادی ترقی کے باوجود مغربی انسان روحانی سکون حاصل نہ کر سکا اور داخلیت کے باعث مشرق میں باوجود روحانی ترقیوں کے معاشرتی اور مادی ترقی کی طرف کوئی قدم نہ اٹھ سکا۔ جب تک اخلاقی اصولوں پر عملی زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی قوت قاہرہ (ریاست کی شکل میں) موجود نہ ہو تو اس سے کبھی وہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا جو گوتم کے پیش نظر تھا۔ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے ایک طرف اخلاقی قوانین وضع کئے انسان کی انفرادی اصلاح کے داخلی محرکات مہیا کئے اور دوسری طرف ان قوانین کو عملی شکل دینے کے لئے ایک ریاست کی بنا ڈالی جس کے لئے قوت قاہرہ کا وجود ناگزیر ہے۔ مغرب میں بدھ مت کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت اور نوعیت کے لحاظ سے عیسائیت سے مشابہ ہے اور یہ دونوں اس معاملہ میں تصوف سے جس کی روح یہ ہے کہ معاشرہ میں خواہ کتنے ہی ظلم ہو رہے ہوں ایک پرہیزگار آدمی کا یہ فرض نہیں کہ وہ لوگوں کو ظلم سے روکے اور اس کی جگہ عدل کو رواج کرے بلکہ وہ اس ناپائدار اور غلیظ دنیا سے علیحدہ ہو کر اپنی انفرادی اصلاح میں مشغول رہے۔ لیکن کیا ایسے نظام اخلاق کی کوئی پائدار افادیت ہو سکتی ہے؟ آپ خوشی سے کہتے رہئے کہ کسی جاندار کو ہلاک کرنا ظلم ہے آپ حکم دے دیں کہ ظلم کے جواب میں بھی

احسان کرنا چاہے، اگر کوئی سختی کرے تو اس سے نرمی برتی جائے۔ یہ اصول تو اپنی جگہ اچھے ہونگے لیکن کیا ان پر عمل کرنے سے کوئی فرد معاشرے سے ظلم و فساد دور کر سکتا ہے؟ دنیا کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب تک کوئی ریاست ان اصولوں پر قائم نہ ہو تب تک دنیا سے فتنہ و فساد ختم نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کہ لئے کی طرف مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں اشارہ ہے :-

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۲ : ۱۹۱) قتل بُرا ہے مگر فتنہ اس سے بھی بُرا ہے۔

یہ فتنہ جس کو دور کرنے کے لئے قتل نفس تک کو بھی روا رکھا گیا ہے وہی خارجی ماحول کا ظلم و فساد ہے جس کے خلاف نہ عیسائیت نے نہ بدھ مت نے اور نہ تصوف نے کبھی آواز اٹھائی۔ بہترین افراد جنہوں نے اپنی تمام زندگی میں نیکی اور بھلائی کی خاطر بدی اور شر کا بے خوف مقابلہ کیا اور ایک لمحہ کے لئے انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے وہی اپنے اردگرد چاروں طرف فتنہ و فساد، ظلم و بے رحمی کا چلن دیکھتے تھے لیکن زبان نہ ہلاتے تھے۔ یہ تضاد آخر کس چیز کا غماز ہے؟ درحقیقت ان کا بنیادی نظریہ حیات و کائنات ہی غلط تھا۔ ان کے خیال میں یہ زندگی بے معنی ہے، یہ کائنات بے حقیقت اور انسان محض سراب اور اس لئے اس قسم کی کوئی کوشش تضیع اوقات۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے صاف صاف اعلان کیا کہ یہ سب چیزیں اپنی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ جہاں وہ انفرادی اصلاح کی کوشش کرے وہیں خارجی ماحول کی اصلاح بھی اس کا اتنا ہی ضروری فرض ہے۔ آخری اور حقیقی فلاح ان دونوں کوششوں کے جمع کرنے پر منحصر ہے۔

ملفوظات رومی

(مصنف مولانا جلال الدین رومی)
مترجمہ عبدالرشید صاحب تبسم
قیمت چھ روپے

حیاتِ محمدؐ

مصنفہ حسین ہیکل پاشا
مترجمہ ابو یحییٰ امام خاں صاحب
قیمت اٹھارہ روپے ۱۲ر

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافت اسلامیہ - ۲ کلب روڈ - لاہور